اسلام کا قانون بین الممالک

ایک مطالعہ

رفیع الدین ہاشمی

مختلف علوم کے ماہرین اور اصحاب فکر و دانش کے توسیعی خطبات ' دور جدید میں علمی دنیا کی ایک قابل قدر اور مستحسن روایت ہے۔ اس سلسلے میں سیرت النبیؐ پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے "خطبات مدراس" (۱۹۲۵) اور اسلام میں فکر دینی کی تشکیل نو پر علامہ اقبالؒ کے خطبات The Reconstruction of Religious Thought in Islam (۱۹۲۹-۳۰) کو برعظیم پاکستان و ہند کے دینی اور فکری لٹریچر میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی تاریخ قرآن حکیم ' حدیث نبوی ' تاریخ فقہ ' اسلام کا نظم مملکت ' نظم دفاع اور نظم تعلیم و تربیت وغیرہ پر عالم اسلام کے مایہ ناز اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بارہ خطبات ہیں ' جو انھوں نے ۱۹۸۰ میں بہاول پور کی اسلامیہ یونی ورسٹی کی دعوت پر دیے تھے۔ اور "خطبات بہاول پور" کے عنوان سے متعدد بار چھپ چکے ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مذکورہ یونی ورسٹی نے اسی تسلسل میں "خطبات بہاول پور۔ " کا اہتمام کیا۔ ۱۹۹۵ میں معروف اسکالر ڈاکٹر محمود احمد غازی نے "اسلام کا قانون بین الممالک اور جدید دور میں ریاستوں کے باہمی تعلقات" پر بارہ لیکچر دیے ' جنھیں یونی ورسٹی نے حال ہی میں کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ جناب محمود احمد غازی انگریزی ' عربی اور اردو میں متعدد بلند پایہ علمی کتابوں کے مصنف ہیں اور اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی میں پروفیسر شریعہ اور یونی ورسٹی کے نائب صدر برائے علمی امور کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اسلامی قانون بین الممالک کے مختلف پہلوؤں پر اگرچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ' ڈاکٹر ہانس کروزے (جرمنی) اور عرب قانون دان فقہا استاد علی علی منصور ' ڈاکٹر عبدالکریم زیدان ' ڈاکٹر وہبہ

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ' پنجاب یونی ورسٹی ' اورینٹل کالج ' لاہور میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں

زحیلی اور عراقی مسیحی اسکالر ڈاکٹر مجید خدوری نے خاصا وقیع اور تاریخ ساز کام کیا ہے۔ اور اب اس موضوع پر ایک قابل قدر ذخیرۂ علم و تحقیق موجود ہے' اس کے باوجود اسلام کے قانون بین الاقوام کی مزید توضیح و تعبیر اور تفسیر و صراحت کی جیسی اور جتنی ضرورت آج ہے' خصوصاً دور جدید کے تناظر میں' شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ جناب محمود غازی کا یہ احساس بجا ہے کہ جب تک ہم جدید دور کے مغرب زدہ اور لادینیت گزیدہ دانش وروں کو عقلی دلائل سے مطمئن نہیں کریں گے کہ اسلام کا قانون' سچ مچ انسانوں کے مسائل و مشکلات کو حل کر دیتا ہے' اس وقت تک ہم خود اسلامی ممالک میں بھی اسلامی قوانین کی نفاذ کی راہ میں پیش رفت نہ کر سکیں گے (ص ۷)۔

اصول شریعت اور اسلامی قانون کے بارے میں ہماری ناواقفیت اور اس بارے میں' خصوصاً مغرب زدہ طبقے کی' کم علمی اور ذہنی الجھن بار بار سامنے آتی ہے۔ اس کا اندازہ بعض مواقع (جیسے ۱۹۷۹ کے حدود قوانین' ۱۹۸۴ کا قانون شہادت' ۱۹۹۰ کا قانون قصاص و دیت آرڈی ننس' توہین رسالتؐ کا قانون' اس طرح امتناع قادیانیت آرڈی ننس کے نفاذ) پر اٹھائے جانے والے اعتراضات سے ہوتا آیا ہے۔ دین و شریعت کے بارے میں شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں پیدا کرنے والوں میں مغربی ذرائع ابلاغ اور بعض اقلیتی مذہبی لیڈروں کی کوشش تو قابل فہم ہیں مگر بعض مسلمانوں کی طرف سے ان کی ہم نوائی بہت افسوس ناک ہے اور عبرت ناک بھی ---- (اس کا سبب خواہ کچھ ہو ---- کم علمی' بدنیتی یا لادینی تعلیم کے سبب ان کی مغرب زدگی) ---- اس صورت حال میں تبدیلی وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس کے لیے "ایک بھرپور فکری تحریک" ناگزیر ہے۔

غازی صاحب نے بارہ خطبات میں موضوع اور اس کے متعلقات کی مختلف جہتوں پر جس تفصیل اور جامعیت سے گفتگو کی ہے اس سے نظام زندگی میں دین' شریعت اور فقہ کا مقام' ان کی انفرادیت اور معنویت روشن ہو جاتی ہے۔ ان فاضلانہ خطبوں میں اسلام کے قانون بین الممالک کا تاریخی اور تقابلی جائزہ' اسلام کا تصور ریاست اور فلسفہ ہجرت: بین الاقوامی تناظر میں' اسلام میں غیر جانب داری' اسلام کا تصور جنگ اور قانون جنگ' اسلامی ریاست اور غیر مسلموں سے اس کے تعلقات' اسلام میں پرائیویٹ انٹر نیشنل لا اور جدید لادینی ریاستوں میں مسلم اقلیتوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہ عالمانہ خطبات بہ ظاہر تو مندرجہ بالا عنوانات ہی سے بحث کرتے ہیں' مگر ان میں اسلامی نظام حیات کے بعض دیگر پہلوؤں پر بھی بہت سی مفید باتیں' معلومات اور واقعات و تجربات آگئے ہیں۔ یہاں ان خطبات کے جملہ مطالب و مباحث کا تعارف تو بہت مشکل ہے' البتہ چند قابل ذکر نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ قانون بین الاقوام کی تحریر و تدوین میں مسلمانوں کو مسلمہ طور پر اولیت حاصل ہے۔ امام محمد بن

الحسن الشیبانی (وفات ۸۰۵ھ) کی کتابیں کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر، اس موضوع پر قدیم ترین تصانیف ہیں۔ بین الاقوامی قانون کے مغربی باوا آدم اور ڈچ قانون دان ہیوگو گروشیئن کی کتاب، قانون جنگ و صلح ۱۶۲۵ میں منظرعام پر آئی۔ اس باب میں الشیبانی کی اولیت مسلمہ ہے (ص ۲۹)۔ اہل فرنگ بھی انھیں بین الاقوامی قانون کا بانی کہتے ہیں (ص ۱۳۱)۔

۲- یہ سمجھنا کہ اسلامی قانون عرب ملوکیت سے متاثر ہے، سراسر لاعلمی ہے [اور بعض مصنّفین کی بدنیتی بھی]۔ ممکن ہے کسی ایک آدھ جزوی معاملے میں کسی فقیہ نے کسی حکمران کی رعایت سے اپنے فتووں میں نرمی کر دی ہو، لیکن ایسے فتاویٰ کو کبھی بھی رواج اور قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ سرکاری اثرات سے آزادی، اقتدار و حکومت کے مقابلے میں مکمل خود مختاری اور ریاستی بالادستی سے انکار، فقہ اسلامی کی سب سے نمایاں امتیازی خصوصیت ہے (ص ۳۷)۔

۳- اسلام کے قانون بین الممالک کے مقاصد میں دنیا میں عدل و انصاف کا قیام، خارجہ پالیسی میں دعوت اسلامی کی تسہیل و ترجیح، اعلاے کلمۃ اللہ، دنیا میں امن و سلامتی کا قیام، اسلامی ریاست (ریاستوں) کا استحکام اور مسلم اقلیتوں کا تحفظ شامل ہے۔ ان مقاصد میں اپنے اور پرائے کی تمیز نہیں اور عدم تفریق ہی بین الاقوامی تعلقات کی اساس اور بنیاد ہے--- اسلامی ریاست غیر مسلموں کو فراخ دلی سے مراعات دیتی ہے بلکہ حقوق اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے مسلم اکثریت کے مقابلے میں، غیر مسلم اقلیت کی پوزیشن، بسااوقات بہتر ہوتی ہے۔ اس ضمن میں جزیے کی بحث میں، جناب محمود غازی نے تاریخ اسلام سے بہت سی مثالیں دی ہیں، مثلاً یہ کہ مسلمانوں کے لیے تو زکوٰۃ کے احکام میں کوئی رعایت یا چھوٹ نہیں مگر فقہا نے غیر مسلموں کو جزیے میں بعض مراعات دی ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان لازمی فوجی خدمت کا پابند ہے، مگر غیر مسلموں پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے (ص ۲۳۰) وغیرہ۔

بین الاقوامی تعلقات میں مسلمانوں نے معاہدوں اور قول و قرار کی ایسی پابندی کی کہ باید و شاید۔ تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ غازی صاحب نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ دور فاروقی میں دمشق اس طرح فتح ہوا کہ سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ نے اہل شہر سے مصالحت کر لی اور شہر میں ایک جانب سے داخل ہو گئے جب کہ مخالف سمت سے کمانڈر حضرت خالد بن ولیدؓ کا داخلہ فاتحانہ ہوا۔

ابوعبیدہ اور خالد اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار، شہر میں ایک جگہ آکر ملے تو وہاں دونوں کو صورت حال کا علم ہوا، مگر اسلام کے انٹرنیشنل لا پر عمل درآمد پر کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ فوراً ایک لکیر کھینچ کر شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اتفاقی امر یہ کہ شہر کا گرجا بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا کہ لکیر اس کے درمیان سے گزرتی تھی۔ چنانچہ شہر کے اس حصے پر جسے حضرت خالدؓ نے فتح کیا تھا، فتح کے احکام کا نفاذ کیا گیا اور

حضرت ابوعبیدہؓ کے ہاتھوں جو علاقہ فتح ہوا تھا اس پر صلح کے احکام نافذ کیے گئے۔ اس کے نتیجے میں آدھا گرجا، مسجد بنا دیا گیا اور باقی آدھا، گرجا ہی رہنے دیا گیا۔ شہر کے آدھے حصے پر اسلامی قانون کے احکام لاگو کیے گئے اور آدھے حصے پر، جو حضرت ابوعبیدہؓ کے ہاتھوں فتح ہوا تھا، بدستور عیسائی احکام باقی رکھے گئے۔ اس بنیادی فرق کی وجہ سے جب مسلم احکام والا علاقہ زیادہ عدل و مساوات اور بھائی چارے کا مظہر بنا تو عیسائی رعایا بھی جلد ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی اور اس کے پرزور مطالبے پر شہر کے باقی ماندہ حصے پر بھی مسلم احکام نافذ کر دیے گئے۔ یہ احکام اس وقت تک لاگو نہیں کیے گئے، جب تک کہ خود عیسائی آبادی نے اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

۴۔ مسلمانوں کے علاوہ دیگر قوموں کے قانون بین الاقوام میں بہت سی خامیاں ہیں، مثلاً ان کے ہاں بالعموم دو طرح کے قانون ہیں۔ ایک نظام قانون اپنوں کے لیے اور دوسرا، غیروں کے لیے۔ اس تفریق کے پس منظر میں اپنی نسلی یا سیاسی بالاتری کا تصور کارفرما رہا، چنانچہ دنیا کی چار بڑی طاقتوں کے درمیان ۱۸۱۵ میں ایک بین الاقوامی اتحاد قائم ہوا جسے مقدس اتحاد (Holy Alliance) کہا جاتا ہے۔ اس کے تین "اصول" تھے، اول: سلطنت عثمانیہ کی تباہی، دوم: جمہوریت کی سرکوبی، سوم: نپولین بوناپارٹ کی اولاد کو اقتدار سے باہر رکھنا (ص ۱۰۰)۔

اس تیسرے "اصول" کی وجہ کیا تھی؟ نہیں معلوم، ماسوا اس کے کہ ایک روایت کے مطابق نپولین کے اجداد عرب تھے۔

غیر مسلموں کے قانون بین الاقوام کی عملی افادیت یا ان کا انطباق مشکوک ہے۔ مہاتما بدھ کے پیروکار کہتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی طاقت اور قوت کے استعمال کے سخت خلاف تھے۔ اسی طرح عیسائی دانش ور حضرت مسیحؑ سے فخریہ طور پر یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دیں مگر عمل کی دنیا میں بدھ اور مسیحؑ کے پیروکاروں نے ان اصولوں کی پاسداری کبھی نہیں کی [زیادہ صحیح: وہ ان اصولوں کی پاسداری نہیں کر سکے کیوں کہ یہ غیر فطری اور ناقابل عمل ہیں]۔ اس کے برعکس اسلام، قوت و طاقت کے استعمال کو مطلق حرام قرار نہیں دیتا، بلکہ وہ جنگ اور جہاد کا ایک ایسا منفرد تصور دیتا ہے جو شریعت اور قانون کے اصولوں اور اخلاقیات کے ضابطوں کا پابند ہے (ص ۲۵۴، ۲۵۵)۔ اور دنیا سے فتنہ و فساد کے خاتمے کا ضامن ہے۔

جدید مغربی قانون بین الاقوام، ایک مکمل اور جامع انسانی قانون دینے میں بڑی حد تک ناکام رہا ہے۔ نورم برگ کے مقدمے سے لے کر خلیج کی جنگ کے دوران میں ادارہ اقوام متحدہ کے فیصلوں تک، بے شمار ایسے مواقع آئے جہاں دنیا نے صاف دیکھا کہ یہ قانون، عدل و انصاف اور اخلاق سے اتنا ہی تعلق رکھتا ہے

جتنا جنگلی جانور۔ یہاں طاقت ہی کا اصول، فیصلہ کن تسلیم کیا جاتا ہے اور زور آور ہی کو تمام حقوق اور مراعات حاصل ہیں۔۔۔۔ ڈاکٹر محمود غازی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ سیکولرازم کا لازمی تقاضا اور منطقی نتیجہ ہے۔ ہماری ناقص رائے میں اگر مغربی طاقتیں خلوص دل سے سیکولرازم کی حقیقی روح پر بھی عمل کرتیں تو بداخلاقی اور بے انصافی پر مبنی جس ظالمانہ اور مجرمانہ رویے کا، یہ قوتیں ارتکاب کرتی رہی ہیں، اس سے خاصی حد تک بچا جا سکتا تھا۔ المیہ تو یہ ہے کہ ان کے ہاں کفر بھی کفر نہیں ہے، سیکولرازم بھی خالص نہیں ہے۔ ہر ہر مرحلے اور مقام پر تفریق، منافقت اور دو عملی کارفرما ہے۔

لطف کی بات تو یہ ہے، اور یہ باعث عبرت بھی ہے کہ انصاف، مساوات، امن اور انسانی حقوق کا علم بردار اور مشعل بردار (torch bearer) ہونے کا دعویٰ بھی انھی کو ہے۔ جنگ عظیم اول کے بعد انجمن اقوام (League of Nations) قائم ہوئی، مگر انھی بڑی اقوام کی خود غرضیوں، مفاد پرستیوں اور ہوس رانیوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ علامہ اقبالؒ کو بجا طور پر کہنا پڑا:

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور، انجمنے ساختہ اند

اور انجمن اقوام متحدہ (U.N.O) کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے، اور انجام بھی شاید ویسا ہی ہو گا کیوں کہ "جن اسباب کی وجہ سے انجمن اقوام کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، وہ تمام، پہلے سے کہیں زیادہ ڈھٹائی کے ساتھ ادارہ اقوام متحدہ میں موجود ہیں"۔۔۔۔ یعنی: ع مری تعمیر میں مضمر "ہے" اک صورت خرابی کی۔ چنانچہ فاضل مولف کا یہ احساس بالکل بجا ہے کہ مغربی قانون بین الاقوام کے مزاج اور ساخت میں مغرب کی بالادستی، طاقت کی پرستش اور مسلمانوں کی تذلیل و توہین کے عناصر شامل ہیں۔ اس قانون کے تحت جو ادارہ بھی بنے گا، وہ کبھی بھی کسی کمزور مسلمان ملک کو طاقت ور غیر مسلم (بالخصوص مغربی) ملک کے مقابلے میں انصاف فراہم نہیں کر سکے گا۔ یہ ادارے صرف مسیحی مغرب کے مفادات کی تکمیل کے لیے وجود میں لائے جاتے ہیں (ص ۳۵۲-۳۵۳)۔

۵۔ جہاد کا ایک اصول یہ ہے کہ فقہا کے نزدیک وہی جہاد اور وہی جنگ جائز تصور ہو گی جو حکومت وقت کی سربراہی میں دستوری اور آئینی طریقے سے کی جائے (ص ۲۶۸، ۲۶۹)۔ چنانچہ دور حاضر کے بعض حلقے افغانستان، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا وغیرہ میں مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں دفاعی عملی کارروائیوں کو جہاد کے بجائے فساد قرار دیتے ہیں۔ جناب محمود غازی نے فقہا کے اقوال کی روشنی میں جہاں اصول جنگ و جہاد کی بڑی عمدگی سے وضاحت کی ہے، وہاں اس کے عملی اطلاق کے سلسلے میں بھی متوازن اور معقول رائے دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ جہاد کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے

لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو مقبوضہ علاقے کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنے امیر کا انتخاب کر کے جہاد شروع کر دیں، جیسا کہ کشمیر میں ہو رہا ہے۔ اس صورت حال میں پاکستان کے مسلمان ان کشمیری قائدین کی قیادت میں جہاد کر سکتے ہیں۔ اسی طرح بوسنیا اور چیچنیا میں بھی مسلمان، وہاں کی قیادت کے تحت جہاد میں حصہ لے سکتے ہیں (ص ۲۸۱)۔

۶- طاقت ور قومیں مسلمانوں کے بارے میں اپنے اہداف کو تو پوشیدہ رکھتی ہیں مگر مسلمانوں کی حقیقی قوت، عزائم اور منصوبوں کے متعلق وہ اخبار نویسوں یا سروے کمپنیوں کے ذریعے ضروری معلومات و حقائق برابر جمع کرتی رہتی ہیں ___ مصنف کی تلقین ہے کہ اس معاملے میں مسلم زعما کو بھی احتیاط کرنی چاہیے، مثلاً: دہلی کے لال قلعہ پر جھنڈا لہرانے کی طرح کے عزائم پر مبنی جذباتی انداز گفتگو دشمن کو چوکنا کرنے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنا ایک دلچسپ تجربہ بیان کیا ہے، کہتے ہیں:

> مجھے مارچ ۱۹۹۰ میں سوویت یونین کے دورے کا موقع ملا۔ میرے ساتھ اس وقت کے پاکستان کے چیف جسٹس بھی تھے جو وفد کے سربراہ تھے۔ ہمیں وہاں کے ذمہ دار افراد سے گفتگو کا موقع ملا۔ اس وقت تک ازبکستان سوویت یونین کا حصہ تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ وہ اپنے مسلمان طالب علموں کو ہمارے یہاں داخلہ لینے کی اجازت دے دیں جسے انھوں نے ٹھکرا دیا اور اس کے جواب میں انھوں نے ایک بڑی ضخیم فائل دکھائی جس میں پاکستان کے بہت سے مذہبی و سیاسی لیڈران کرام کے بیانات تھے جن میں دعوے کیے گئے تھے کہ وہ سمرقند و بخارا پر پاکستانی پرچم لہرائیں گے۔ سوویت یونین کے ذمہ داران کا موقف تھا کہ آپ سوویت یونین کے اندرونی حالات خراب کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم اپنے طلبا کو آپ کے یہاں داخلہ لینے کی اجازت نہیں دے سکتے (۳۰۸-۳۰۹)۔

۷- پاکستان میں قادیانیوں کی شہریت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں محمود غازی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ چونکہ قادیانیوں کا بنیادی عقیدہ ناموس رسالتؐ کے منافی اور اسلامی اسٹیٹ سے بغاوت پر مبنی ہے، اس لیے اس کا صحیح حل (انھیں محض غیر مسلم اقلیت قرار دینا نہیں بلکہ) ان پر مکمل پابندی لگانا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی اور عوامی لیگ وغیرہ کی طرح ان پر بھی مکمل پابندی لگا کے، ان کا سارا لٹریچر ضبط کرنا چاہیے۔ کمیونسٹ ملک میں وہاں کے بنیادی نظریات کے خلاف بات کرنا اگر اسٹیٹ کے خلاف جرم ہے تو یہاں بھی ریاست کی بنیادی اساس کے خلاف بات کرنا جرم ہونا چاہیے (ص ۳۳۸)۔

۸- آخری خطبہ: "مسلم اقلیت، جدید لادینی ریاستوں میں" بہت دلچسپ، فکر انگیز اور معلومات افزا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں بطور اقلیت آباد و مقیم مسلمان دنیا کی کل مسلم آبادی کا چالیس فی صد ہیں۔ یہ

مسلمان لادین ریاستوں خصوصاً امریکہ و یورپ میں اپنی تعلیم، ہنرمندی اور علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں اختصاص رکھنے کے سبب بہت مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے باعث مسرت و اطمینان بھی ہے اور باعث عبرت بھی ـــــ خوشی کا باعث تو یوں کہ ایسے ماہر مسلمان اپنے اپنے ممالک کو زرمبادلہ وغیرہ کی صورت میں تو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر، اگر انھیں مناسب موقع ملے تو وہ امت مسلمہ کو کہیں زیادہ اور بیش بہا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں غازی صاحب نے ایک واقعہ سنایا ہے کہ یورپ کے ایک بہت بڑے ملک میں آج سے اٹھارہ سال پہلے مسلمانوں کا ایک وفد گیا اور اس نے ایک اہم جدید ٹکنالوجی کی منتقلی کی درخواست کی کیوں کہ وہ ٹکنالوجی اس مسلم ملک کے پاس نہ تھی۔ لیکن ایک بڑی طاقت کے اشارے پر اس میزبان ملک نے وہ ٹکنالوجی مسلمانوں کو منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔ جس صبح اس وفد کو واپس روانہ ہونا تھا اس سے ایک رات پہلے میزبان ملک نے مہمانوں کے اعزاز میں الوداعی عشایئے کا اہتمام کیا، جس کے بعد کچھ لوگ چہل قدمی کے لیے نکلے۔ مسلم وفد کے سربراہ نے خود مجھے بتایا (وہ اپنے ملک میں ایک اہم اور بڑے سائنس دان تھے) کہ وہ لوگ عشایئے کے بعد چہل قدمی کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے، گفتگو کرتے کرتے میزبان ملک کے ایک سائنس دان نے موقع پا کر، اپنے ساتھیوں سے ذرا الگ ہو کر کہا کہ آپ اس انکار اور حکومتی فیصلے کو بھول جایئے، میں اس ادارے کا سربراہ ہوں اور میں مسلمان ہوں۔ میں یہ پوری ٹکنالوجی آپ کے ملک کو منتقل کر دوں گا۔ چنانچہ وہ ٹکنالوجی منتقل کر دی گئی۔ ایک فرد نے اپنی حکومت کی پالیسی کے خلاف اور ایک بڑی طاقت کے دباؤ کے باوجود اپنی جان اور اپنی اولاد کے لیے خطرہ مول لے کر، ایک مسلم ملک کو وہ فائدہ پہنچا دیا جو عام حالت میں ممکن نہ تھا۔ اس طرح کی مثالیں اور بھی دی جا سکتی ہیں، لیکن اس ایک مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم ممالک کے لیے مسلم اقلیتوں کی کتنی اہمیت ہے۔ مگر مسلم اقلیتیں منظم نہیں ہیں اور کوئی مسلمان ملک ان کا سرپرست نہیں ہے۔ ان کی مناسب تنظیم اور تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ دوسری طرف صرف ڈیڑھ کروڑ یہودیوں نے پورے امریکہ کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے: ع فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں اس سپرپاور کو اپنی انگلیوں پر نچاتے ہیں، مگر امریکہ میں مقیم ساٹھ لاکھ مسلمان بے بس ہیں۔ وہاں تبلیغ اسلام کے لیے خداداد مواقع حاصل ہیں۔ امریکی حکومت جیلوں میں مقید کالوں کو قابو میں رکھنے سے عاجز آچکی تھی مگر جوں جوں کالے مسلمان ہوتے گئے تو بدلتے گئے۔ ضدی، اکھڑ اور غارت گر کالے، اسلام قبول کرنے کے بعد خاموش، نظم و ضبط کے پابند اور تعاون کرنے والے بن گئے۔ حکومت کے تحقیقاتی کمیشن نے رپورٹ دی کہ مجرم قیدیوں کو مہذب بنانے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ ممکن نہیں کہ انھیں قبول اسلام کی رغبت دلائی جائے۔ غازی صاحب کہتے ہیں کہ مجھے ۱۹۸۹ میں وہاں جانے کا اتفاق ہوا تو جیلوں میں تبلیغ کرنے

والوں نے بتایا کہ خود صدر بش کے حکم سے ہر جیل میں مسلمان مبلغ مقرر کیے گئے ہیں اور جیلوں میں حکومت کے خرچ پر مساجد بنائی جا رہی ہیں۔

مسلم اقلیتوں کو غیر مسلم معاشروں میں درپیش مسائل میں مدد دینا' مسلم حکومتوں اور مسلمانوں کی دینی اور اجتماعی ذمہ داری ہے مثلاً:

۱۔ ان کے مذہبی اور ثقافتی حقوق کے لیے آواز اٹھائی جائے (بلیجیم میں ۱۹۷۴ء کے اوائل سے اسلام کو سرکاری مذہب کا درجہ دے دیا گیا ہے کیوں کہ مقامی آبادی کی خاصی تعداد اسلام قبول کر چکی ہے۔ اب اگر کسی مقام پر مسلم آبادی مطالبہ کرے تو حکومت قانوناً مسجد بنا دینے کی پابند ہے بلکہ وہ امام کی تنخواہ بھی دے گی) (ص ۴۰۰)۔

۲۔ تارکین وطن کے لیے تعلیم اور تہذیب و تربیت کا بندوبست کیا جائے خصوصاً معقول تعداد میں ایسے جدید تعلیم یافتہ اور معتدل نقطہ نظر کے حامل اہل علم کی تیاری و فراہمی' جو تارکین وطن کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ' مساجد کو اختلاف و جدال کا اکھاڑا بنانے کے بجائے' مرکز رشد و ہدایت بنائیں۔

بلاشبہ مسلم اقلیتیں تعاون' مدد اور رہنمائی کی مستحق ہیں۔ مگر ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر مسلم اکثریت کے درمیان اور لادینی معاشروں میں رہتے ہوئے حکمت و تدبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ جزائر غرب الہند کے ملک ٹرینی ڈاڈ میں بعض پرجوش مسلمانوں نے اپنی بے تدبیری اور حماقت سے امت مسلمہ کے لیے رسوائی کا سامان فراہم کیا اور اسلام کی پیش رفت کے لیے راستہ مسدود نہیں کیا تو اس راستے میں کانٹے ضرور بو دیے۔ ڈاکٹر محمود غازی بتاتے ہیں کہ وہاں مسلمان ۱۵ یا ۱۶ فی صد ہیں۔ وہاں مسلمانوں کو اتنا اثر و رسوخ حاصل تھا کہ اقلیت ہونے کے باوجود ملک کا صدر مسلمان تھا۔ پارلیمنٹ کا سپیکر اور عدلیہ کا چیف جسٹس بھی مسلمان تھے البتہ وزیراعظم کا عہدہ ایک عیسائی کے پاس تھا۔ کہیں سے کچھ مخلص اور پرجوش مگر کم علم اور حکمت و تدبر سے عاری مسلمان مبلغین وہاں پہنچے اور مقامی مسلمانوں کو بھڑکایا کہ جنگ بدر میں ۳۱۳ مسلمانوں کی قلیل تعداد' تین گنا سے زائد کافروں پر غالب آگئی تھی۔ یہاں بھی کفر کو شکست دے کر اسلامی انقلاب برپا کر دینا چاہیے۔ پھر کیا تھا بعض کالے پرجوش مسلمانوں نے مسلم املاک کو نقصان پہنچایا' ٹی وی اور ریڈیو پر قبضہ کر لیا اور نفاذ اسلام کا اعلان کر دیا مگر اسلام تو وہاں کیا قائم ہوتا' غیر مسلم اکثریت سے مسلمانوں کے خیر سگالی کے تعلقات بھی ختم ہو گئے' وہ کلیدی عہدے بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور تبلیغ اسلام کے لیے آیندہ راستے بند ہو گئے۔ یہ نتیجہ تھا چند نادان دوستوں کی بے تدبیری کا۔ "ان کے جوش جنوں نے وہ کام کر دیا جو ان کے غیر مسلم دشمن بھی نہ کر سکے تھے" (ص ۳۹۸)۔

۳۔ مختلف یورپی طاقتیں، صدیوں تک افریقہ و ایشیا اور لاطینی امریکہ کے مختلف علاقوں پر متصرف رہیں۔ انھوں نے اپنی اپنی نوآبادیات کو مختلف حیلوں بہانوں سے، جی بھر کے لوٹا۔ بہ قول : مصحفی (۱۷۵۰-۱۸۲۴) :۔

ہندستاں میں دولت و حشمت جو کچھ کہ تھی
کافر فرنگیوں نے بتدریج کھینچ لی

دور جدید میں اس طرز کی تاخت و تاراج کی تو ممکن نہیں رہی۔ اب ان فرنگیوں نے عالمی بنک اور آئی ایم ایف وغیرہ کے لبادے اوڑھ لیے ہیں--- اب المیہ یہ ہے کہ مشرق خصوصاً مسلم معاشرے کی ذہانت اور مہارت، مغربی دنیا برابر کھینچے لیے جا رہی ہے اور حال میں تو اس کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔ مسلمان اپنے قیمتی وسائل سے ڈاکٹر، انجینئر اور مختلف شعبوں کے ماہرین تیار کرتے ہیں، مگر یورپ اور امریکہ و کینیڈا انھیں فوراً سنبھال لیتے ہیں۔ ان کی قابلیت و مہارت (talent) اغیار کے کام آ رہی ہے:۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

(اے غنی، پیر کنعاں [یعقوب] کی بدقسمتی ملاحظہ ہو۔ اس کا نور چشم [بیٹا یوسف] زلیخا کی آنکھ روشن کر رہا ہے)۔

۴۔ جناب محمود غازی مسلم ممالک کو توجہ دلاتے ہیں کہ اس ذہانت و خدمت سے غیروں کے بجائے، خود ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے بلکہ اگر ہم اسلامی اخوت اور وحدت کی بنیاد پر مسلمان ممالک میں سازگار فضا اور مناسب ماحول پیدا کریں تو یورپ اور امریکہ و کینیڈا میں موجود ان ہزاروں مسلمان ماہرین کو اپنے ہاں بلا کر ان سے دنیاے اسلام کی خدمت کا کام لے سکتے ہیں، جو دوسروں کے اخراجات سے تیار ہوئے ہیں (ص ۳۹۱)۔ مگر اس کے لیے نیک نیتی، خلوص اور بڑی حکیمانہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ بطور خاص حکومتی نظاموں کو بدعنوانیوں اور بے انصافیوں سے پاک کیے بغیر، ہم ذہانت و مہارت کو اپنے ہاں نہیں کھینچ سکتے۔

جناب مصنف کہتے ہیں کہ اگر مسلم ممالک نے، غیرمسلم اقلیتوں کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کیں تو خدا نہ کرے کہ وہ غیرمسلم اکثریت کے درمیان اپنا ملی تشخص کھو بیٹھیں اور وہ سپین میں مسلمانوں کے سے انجام دوچار ہوں۔

ڈاکٹر محمود غازی کے یہ خطبات پڑھتے ہوئے ذہن، علامہ اقبالؒ کے ایک احساس کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ تقریباً پون صدی قبل انھوں نے ایک خط میں لکھا تھا کہ مذہب اسلام گویا زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے، اس لیے زمانہ حال کی فقہ (قوانین) پر تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت ثابت کرنا، مسلمانوں کی

اہم ترین ضرورت ہے---- (اقبال نامہ' اول' ص ۵۰-۵۱)۔ دور جدید کے تناظر میں اسلام کی تفہیم و تعبیر اور بطور خاص اسلامی قانون اور فقہ کی توضیح و تشریح کے ضمن میں یہ خطبات' ایک قابل قدر کاوش اور پیش رفت ہیں۔ ان میں اصل موضوع کے ذیل میں بیسیوں ضمنی مسائل و مباحث آگئے ہیں' جیسے: دارالاسلام' دارالحرب' جزیہ' سفارت کاری' ڈپلومیسی' ثالثی' گفت و شنید اور مذاکرات' معاہدات' شہریت' توہین رسالت' دور جدید میں احیاے خلافت' اہل ذمہ' اہل کتاب' مرتدین وغیرہ۔ غازی صاحب نے دقیق بحثوں میں علم اور مطالعے کو اپنے تجربات و مشاہدات کی آمیزش سے ایسا دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے کہ انٹرنیشنل لا کے طلبہ کے علاوہ مسائل امت سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین بھی کتاب سے بہت کچھ استفادہ کر سکتے ہیں۔

اسلامیہ یونی ورسٹی سے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ زیر نظر خطبات کا آیندہ ایڈیشن' اغلاط کتابت و املا کی درستی کے بعد' اور اشاریے کے اضافے کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ (قیمت: ۲۴۰ روپے مجلد' ۱۴۰ روپے کاغذی جلد)

عیدالفطر کی خوشیوں میں مظلوم کشمیری مجاہدین و مہاجرین'
افغان اور پاکستان بھائیوں کو بھی یاد رکھیں

فطرانہ کی اجتماعی تقسیم

جماعت اسلامی پاکستان نے فطرانہ کی اجتماعی تقسیم کا اہتمام کیا ہے۔

فطرانہ کی رقم کشمیری مجاہدین و مہاجرین' افغان بھائیوں اور پاکستان میں مستحقین میں تقسیم کی جائے گی۔

☆ رقم عید سے کم از دو دن پہلے موصول ہونی چاہیے تاکہ تقسیم کے انتظامات میں سہولت ہو۔

☆ ٹیلی فون پر بھی آپ فطرانہ کی رقم کی پیشگی اطلاع دے سکتے ہیں۔

ڈرافٹ بنام مسعود احمد خان ارسال کیجیے

انیس احمد خان
قائم مقام ناظم مالیات

منصورہ' ملتان روڈ' لاہور ۔ فون : 9-7844605 , 24-5419520 فیکس : 7832194
ای میل : amir @ ji.org.pk